سد باب ذریعہ

اصول تشریع میں سے ایک اصل عظیم

از افادات علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ

(علامہ ابن القیم کی کتاب اعلام الموقعین عن رب العالمین فقہ اسلامی کی بہترین کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس میں علامۂ موصوف نے اسلامی قانون کے مآخذ اور اسکی روح اور اسکے اسرار و حکم اور طریق قیاس و استنباط اور اصول فتویٰ پر اس خوبی سے بحث کی ہے کہ اس کی نظیر علماء اسلام کی تصنیفات میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس اشاعت میں ہم اس کتاب کے ایک باب کا ترجمہ درج کر رہے ہیں جس میں شریعت کے اصول میں سے ایک اصل عظیم کی تشریح کی گئی ہے۔ اگر موقع ملا تو علامہ کے بعض اور مقالات بھی ان صفحات میں نقل کیے جائیں گے۔ ایڈیٹر)

انسان جب کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے اس کے مناسب اسباب و وسائل اختیار کرتا ہے اور مقصد تک پہنچنا اسباب ہی کے ذریعہ سے ممکن ہوتا ہے۔ پس تشریعی نقطۂ نظر سے جو حیثیت مقصد کی ہوگی وہی اس تک لے جانے والے ذرائع کی ہوگی، یعنی جو مقصد حرام اور گناہ ہے اس کے اسباب اسی درجہ میں مکروہ اور ممنوع ہوں گے جس درجہ میں وہ اس مقصد تک پہنچانے کے لیے مدد و معاون ہوں اور جو مقصد طاعات و قربات کے قبیل سے ہو اس کے اسباب اسی درجہ میں محمود اور پسندیدہ ہوں گے جس درجہ میں وہ مقصد اس تک پہنچانے کے لیے مددگار اور مفید ہوں۔ حاصل یہ نکلا کہ وسیلہ مقصود خود مقصود کے تابع ہوتا ہے۔ اگرچہ مقصد دونوں ہیں، مگر ایک قصد غایات کا مقصود ہے اور دوسرا قصد وسائل کا مقصود۔ اللہ تعالیٰ جب کسی شے کو

حرام قرار دیتا ہے تو اس تک پہونچانے والے جتنے طریقے اور وسائل ہوتے ہیں ان کو بھی وہ ممنوع کر دیتا ہے تاکہ اس شئے حرام کی تحریم مضبوط اور مستحکم ہو جائے اور لوگ اس کے پاس تک نہ پھٹک سکیں۔ کیونکہ اگر اس کے وسائل و ذرائع کو مباح کر دیا جاتا تو اس سے تحریم کا مقصد ہی باطل ہو جاتا اور لوگ مخمصہ میں مبتلا ہو جاتے۔ اللہ کی حکمت اور اس کے علم سے ایسی کھلی ہوئی فروگذاشت بعید بلکہ ابعد ہے۔ اللہ تعالےٰ تو خیر احکم الحاکمین ہے، اس نادانی کو تو دنیوی بادشاہوں کی سیاست بھی قبول نہیں کرتی۔ بادشاہ جب کسی چیز کو جرم قرار دیتے ہیں تو اس جرم کے ارتکاب میں مدد دینے والے آلات و وسائل کو بھی ممنوع کر دیتے ہیں کیونکہ اگر اس کو مباح رہنے دیا جائے تو خلاف ورزی قانون کے امکانات بڑھ جائیں اور قانون سازی کا مقصود ہی فوت ہو جائے۔ اسی طرح اطبا جب بیماری کا علاج کرتے ہیں تو بیمار کو ان تمام چیزوں سے روک دیتے ہیں جو بیماری کو پیدا کرنے اور بڑھانے کی باعث ہوتی ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں تو اصلاح بدن کا مقصود ہی پورا نہ ہو۔ جب حال یہ ہے تو اس شریعت کاملہ کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے جو مصلحت اور کمال کے بلند ترین مدارج پر پہنچی ہوئی ہے؟ جو شخص اس شریعت کے قواعد اور احکام پر غور کرے گا اس کو معلوم ہوگا کہ اللہ اور اس کے رسول نے تمام محرمات کا سدباب کرنے کے لیے ان ذرائع پر پابندیاں عائد کر دی ہیں جو ان محرمات تک لے جانے والے ہیں۔

کسی مفسدہ تک لے جانے والا فعل یا قول دو قسموں میں سے کسی ایک قسم کا ہوتا ہے:

ایک وہ جو خصوصیت کے ساتھ اسی مفسدہ کے لئے موضوع ہو۔ جیسے شراب کہ وہ نشہ پیدا کرنے ہی کے لیے بنائی جاتی ہے۔ یا جیسے قذف کہ وہ کسی کو بدنام کرنے ہی کے لیے کیا جاتا ہے۔ اور زنا کہ اس کا لازمی نتیجہ اختلاط انساب و فساد فراش ہے۔ یہ ایسے افعال یا اقوال ہیں جن کا کوئی دوسرا پہلو ان مفاسد کے سوا نہیں ہے۔

دوسرا وہ جو موضوع تو کسی جائز یا مستحب امر کے لیے ہے، مگر اس کو کسی حرام چیز کے لیے یا تو بالقصد

وسیلہ بنالیا جاتا ہے، یا وہ بلا قصد وارادہ اس کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بالقصد بنائے جانے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص نکاح کرے اور اس کا مقصد کسی مطلقہ مغلظہ عورت کو اس کے پہلے شوہر کے لیے حلال کرنا ہو، یا کوئی شخص بیع کا معاملہ کرے اور اس کا مقصد سود سے نفع اٹھانا ہو، یا کوئی شخص اپنی بیوی سے خلع کا معاہدہ کرے اور اس کا مقصد قسم توڑنا ہو۔ اور بلا قصد وارادہ اس کے ذریعۂ فساد بن جانے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص تطوّع کی نیت سے اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھے، یا مشرکین کے سامنے ان کے بزرگوں اور معبودوں کو گالی دے یا قبر کے سامنے خدا کی عبادت کرے۔

دوسری قسم کے ذرائع کی پھر دو قسمیں ہیں:۔

ایک یہ کہ اس قول یا فعل کی مصلحت اس کے مفسدہ کے مقابلہ میں لائق ترجیح ہو۔

دوسری یہ کہ اس کا مفسدہ اس کی مصلحت سے بڑھا ہوا ہو۔

پس تمام ذرائع کل چار اقسام کے ہوئے:۔

(۱) وہ ذریعہ جو مفسدہ ہی کی طرف لے جانے کے لیے خاص ہو۔

(۲) وہ ذریعہ جو امر مباح کے لیے وضع کیا گیا ہو مگر اس کو کسی گناہ کے لیے بالقصد ذریعہ بنا لیا جائے اور اس کا فساد اس کی مصلحت پر غالب ہو۔

(۳) وہ ذریعہ جو کسی جائز مقصد کے لیے اختیار کیا جائے مگر بلا ارادہ وہ انسان کو کسی مفسدہ میں مبتلا کر دے۔

(۴) وہ ذریعہ جو امر مباح کے لیے مقرر ہو۔ اور اس میں مفسدہ کا خطرہ بھی ہو، مگر اس کی مصلحت اس کے مفسدہ پر مرجح ہو۔

پہلی اور دوسری قسم کی مثالیں اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔ تیسری قسم کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اوقات ممنوعہ میں نماز پڑھے یا مشرکین کے معبودوں کو ان کے سامنے گالی دے۔ یا کوئی بیوہ عورت

زمانۂ عدت میں بناؤ سنگھار کرے۔ چوتھی قسم کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی اجنبی عورت کو اس ضرورت سے دیکھے کہ وہ اُسے نکاح کا پیغام دینا چاہتا ہے، یا اس سے کوئی معاملہ کر رہا ہے، یا وہ قاضی ہے اور عورت اس کے سامنے گواہ یا فریقِ معاملہ کی حیثیت سے پیش ہوئی ہے۔ یا ممنوعہ اوقات میں کسی مجبوری سے کوئی فعل کرے، یا کسی ظالم حکمران کے سامنے کلمۂ حق کہے۔ شریعت نے اس آخری قسم کے افعال کو ان کی مصالح کے درجات کے لحاظ سے مباح یا مستحب یا واجب ٹھیرایا ہے۔ اور پہلی قسم کے ذرائع کو اسی درجہ میں مکروہ یا حرام قرار دیا ہے جس درجہ کے مفسدہ تک وہ لے جانے والے ہیں۔ اب رہ گئے بیچ کی دو قسموں کے ذرائع تو زیادہ تر انہی کے باب میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا شریعت ان کو مباح ٹھیراتی ہے یا ممنوع؟ میں کہتا ہوں کہ اس امر کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شارع نے ان دونوں قسم کے ذرائع کو بھی روکا ہے۔ چنانچہ ذیل میں اس کی چند نظیریں پیش کی جاتی ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ "جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں ان کو گالیاں نہ دو کہ یہ دشمنی سے بے سمجھے بوجھے خدا کو گالیاں دیں گے۔" دیکھیے! معبودانِ باطل کو برا کہنا ظاہر ہے کہ خداپرستانہ حمیت اور شرک سے نفرت ہی کی بنا پر ہوگا، اور یہ مقصود بُرا نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کر دیا، کیوں کہ یہ اللہ کی شان میں گستاخی کا سبب بن جاتا ہے، اور معبودانِ باطل کی اہانت میں خواہ کوئی بھی مصلحت ہو، بہرحال وہ اس مفسدہ کے مقابلہ میں کم ہے جو اس سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ اس بات پر نہایت صریح دلیل ہے کہ اگر کسی فعلِ جائز سے کوئی مفسدہ پیدا ہوتا ہو اور وہ اس کی مصلحت کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہو تو اس کو ممنوع قرار دینا درست ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ "عورتیں اپنے پاؤں زمین پر مارتی نہ چلیں کہ اُس زینت کا اظہار ہو جو انہوں نے چھپا رکھی ہے۔" زمین پر پاؤں مارنا

فی نفسہ کوئی گناہ نہیں۔ مگر اس کو اس لیے ممنوع ٹھیرایا گیا کہ پازیب وغیرہ کی جھنکار سننے والوں کے جذبات شہوانی میں حرکت اور عورتوں کی طرف توجہ کا سبب نہ بن جائے۔

(۳) حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ الآیہ۔ ”اے اہل ایمان تمہارے غلام اور وہ لڑکے جو ابھی بالغ نہیں ہوئے ہیں تین وقتوں میں جب تمہارے پاس آنا چاہیں تو پہلے اجازت مانگ لیا کریں ایک صبح کی نماز سے پہلے۔ دوسرے دوپہر کو جب تم کپڑے اتار دیا کرتے ہو۔ تیسرے نماز عشا کے بعد“ اس آیت میں اصل مقصود تو یہی ہے کہ ہوشیار بچے اور غلام اچانک داخل ہو کر لوگوں کو کسی نادیدنی حالت میں نہ دیکھیں، کیونکہ اس سے مفاسد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے لیکن اس کے لیے وہ تین اوقات مخصوص کر دیے گئے جن میں مفسدہ کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ باقی رہے دوسرے اوقات تو گو مفسدہ کے امکانات ان میں بھی ہیں لیکن چونکہ وہ بہت قلیل ہیں اس لیے ان کو نظرانداز کر دیا گیا۔

(۴) ارشاد باری ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔ ”اے مسلمانو! نبی کو پکارتے وقت راعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو“۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ کہنے سے مسلمانوں کو کیوں منع فرمایا؟ مسلمان جب رَاعِنَا کہتے تھے تو ان کی نیت اچھے ہی معنی کی ہوتی تھی لہٰذا یہ ان کے لیے جائز ہونا چاہیے تھا۔ مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس لیے روک دیا کہ وہ اس قول میں بلا قصد وارادہ یہودیوں کے ہم زبان نہ بن جائیں جو اس لفظ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے لیے استعمال کرتے

---

[1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تقریر فرماتے اور دوران کلام میں کوئی بات کسی کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ رَاعِنَا کہا کرتا تھا، یعنی ہیرا عنایت ہو ہم نہیں سمجھے لیکن یہ ذو معنی لفظ تھا۔ یہودی بھی ایسے مواقع پر قصداً یہی لفظ بولتے تھے اور ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ ”اے احمق شیخی خورے“ (نعوذ باللہ) اور کبھی وہ زیادہ بدتمیزی سے کام لیکر ذرا عین کے کسرے کو کھینچ دیتے تھے جس سے رَاعِیْنَا بن جاتا تھا یعنی ”اے ہمارے گڈریے“

تھے، اور اس لیے بھی کہ اگر مسلمانوں میں یہ محاورہ رائج ہو گیا تو یہودیوں کو سبِّ نبی کے لیے ایک پردہ مل جائے گا اور وہ اس کے عام استعمال کو آڑ بنا کر نبی کو گالی دیتے رہیں گے۔

(۵) اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰی "تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو گیا ہے، مگر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا خدا کا خوف کھائے"
دیکھیے! ایک بدترین دشمن خدا اور کٹے کافر اور شدید سرکش سے نرمی کے ساتھ کلام کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کیوں؟ باوجودیکہ وہ سخت سے سخت زجر و توبیخ اور ملامت کا مستوجب تھا۔ مگر اس لیے نرمی کی تاکید کی گئی کہ کہیں غلظت اور شدت اس کی تنفیر کا سبب نہ بن جائے اور اتمام حجت میں خلل نہ واقع ہو۔ اس کے حق میں سختی کلام جائز تھی۔ مگر اس جائز کو اس لیے ممنوع کیا گیا کہ اس کا مفسدہ اس کی مصلحت سے زیادہ وزنی تھا۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو مشرکین کے خلاف طاقت استعمال کرنے سے روکا اور درگذر کا حکم دیا۔ اگرچہ مشرکوں سے لڑنا غیر جائز نہ تھا۔ مگر منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ ان کی جان اور ان کے دین اور اولاد کو ہلاکت سے بچانے کی مصلحت انتصار اور مقابلہ کی مصلحت کے مقابلہ میں راجح تھی۔

(۷) اللہ تعالیٰ نے جمعہ کی اذان کے وقت خرید و فروخت سے منع فرما دیا۔ تجارت ایک جائز فعل ہے مگر منع اس لیے کیا گیا کہ یہ نماز جمعہ چھوٹ جانے کا ذریعہ نہ بن جائے، یا اس کو ترک نماز کے لیے بہانا نہ بنا لیا جائے۔

(۸) متفق علیہ حدیث ہے، جناب حمید بن عبد الرحمٰن حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا من الکبائر شتم الرجل والدیہ "کسی شخص کا اپنے باپ کو گالی دینا بڑے گناہوں میں سے ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا کوئی اپنے باپ کو بھی گالی دے گا؟ فرمایا ہاں یسب ابا الرجل فیسب اباہ و یسب امہ فیسب امہ۔" وہ دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے گا تو

دوسرا اس کی ماں باپ کو گالی دیگا۔ بخاری میں اس کے الفاظ یہ ہیں: اِن من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ قیل یا رسول اللہ کیف یلعن الرجل والدیہ قال یسب ابا الرجل فیسب اباہ ویسب امہ فیسب امہ۔ دیکھیے! وہ شخص جو کسی دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے، خود اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا قرار دیا گیا۔ گو اس کا مقصد اپنے ماں باپ کو گالی دینا نہیں ہے، مگر جب اس نے گالی کے سبب کو حرکت دی اور اس کے وسیلہ کو کھٹکھٹا دیا، تو گویا وہ خود ہی اپنے ماں باپ کا شاتم اور لاعن بن گیا۔

(۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو قتل کرنے سے باز رہتے تھے۔ گو ان کو قتل کرنے میں مصلحت بھی تھی لیکن اس مصلحت کے مقابلہ میں یہ مفسدہ زیادہ عظیم تھا کہ اس سے لوگوں میں بددلی پھیلے گی اور وہ کہیں گے کہ محمدؐ تو خود اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہے ہیں۔ حضورؐ کو اندیشہ ہوا کہ یہ خیالات اگر پھیل گئے تو لوگ اسلام میں داخل ہونے سے رک جائیں گے اور جو نئے نئے داخل ہوئے ہیں وہ کھٹک جائیں گے۔ پس آپ کے نزدیک ترکِ قتل کے مفسدہ سے تنفیر قلوب کا مفسدہ عظیم تر تھا، اور مصلحتِ قتل کے مقابلہ میں مصلحتِ تالیفِ قلوب زیادہ وزنی تھی اس لیے آپ نے ایک جائز اور ایک حد تک ضروری فعل کو ترک فرما دیا۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام کیا کیونکہ اس میں بہت سے مفاسد ہیں جو زوالِ عقل پر مترتب ہوتے ہیں۔ پھر جب شراب کو حرام کر دیا گیا تو اس کا ایک قطرہ پینے کو بھی حرام کر دیا گیا، اسے گھر میں رکھنے سے بھی منع کر دیا گیا تاکہ ایک قطرہ کا پینا اس کو دورِ نہ کھینچے جو دل میں شراب کی طرف پہلے سے پیدا ہو چکی ہے اور اس کو اپنے پاس کسی جائز مقصد مثلاً تخلیل (سرکہ بنانے) کے لیے رکھنا ایک ناجائز فعل یعنی شُرب اور بیع کا ذریعہ نہ بن جائے۔ پھر سدِ باب ذریعہ میں اور زیادہ مبالغہ کیا گیا۔ شراب کے مرکبات کو ممنوع کیا گیا۔ عصیر پر اگر تین دن گذر جائیں تو اس کے استعمال کو بھی حرام کر دیا گیا۔ ایسے برتنوں میں نبیذ بنانے سے بھی روک دیا گیا جن میں شراب بنائی جاتی ہو یا جن میں نبیذ کے شراب بن جانے کا خدشہ ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدرِ قلیل کی حرمت بیان کرنے کے ساتھ اس کی مصلحت بھی بیان فرما دی کہ اگر میں اس کی اجازت دے دوں تو سکر کی حد تک پینے کا دروازہ کھل جائے گا۔

(۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنے سے منع کر دیا اگرچہ وہ قرآن پڑھانے ہی کے لیے کیوں نہ ہو۔ اور اجنبیہ کے ساتھ سفر کرنے کو بھی منع فرمایا خواہ وہ حج کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی سد باب ذریعہ کے قبیل سے ہے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے اجنبی عورتوں کی دید سے باز رہنے کا حکم دیا، اگرچہ دیکھنے والے کا مقصود محض اللہ کی صنعت کے محاسن دیکھنا اور خدا کی کاریگری میں تفکّر کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بھی اس لیے ہے کہ اس قسم کی دیدہ بازی کہیں بالقصد یا بلا قصد ایک ناجائز فعل کا ارادہ اور خواہش پیدا کرنے کا سبب نہ بن جائے۔

(۱۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والے پر لعنت کی اور قبروں کو پختہ بنانے اور بلند کرنے سے روکا اور ان کے سامنے یا ان کے قریب نماز پڑھنے کی مخالفت فرمائی۔ اور ان پر چراغ جلانا یا میلے کرنا یا شدّ رحال کر کے ان کی طرف جانا بھی ناجائز قرار دیا اور قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا۔ یہ سب اس لیے تھا کہ پچھلی امتوں اور جاہل قوموں کی طرح مسلمان بھی کہیں رفتہ رفتہ ان کو بت نہ بنالیں اور شرک نہ کرنے لگیں۔ یہ سب افعال جس طرح ان کے لیے حرام ہیں جو شرک اور بت پرستی کا قصد کریں، اسی طرح ان کے لیے بھی حرام ہیں جن کے دل میں ایسا کرنے کا خطرہ تک نہ ہو، کیونکہ شارع کا مقصود تو حرام تک لے جانے والے ذریعہ کا سد باب ہے۔

(۱۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آفتاب نکلنے اور اس کے غروب ہونے کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ اس لیے کہ یہ آفتاب پرستوں کے ہاں سجدہ کے اوقات تھے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان اگر ان اوقات میں نماز پڑھے گا تو اس کا مقصد خدا ہی کو سجدہ کرنا ہوگا، لیکن اس میں مشرکین کے ساتھ جو مشابہت ہے اس سے شارع کو خدشہ ہوا کہ یہ ظاہری مشابہت آگے چل کر مشارکت کا ذریعہ نہ بن جائے۔ غور کیجیے کہ جب اتنے بعید ذریعہ کا بھی دروازہ بند کیا گیا تو جو ذرائع اس کی بہ نسبت قریب تر ہیں، ان کا دروازہ کیسے کھلا چھوڑ دیا جائے۔

(۱۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بکثرت احادیث میں اہل کتاب سے تشبّہ کرنے کو منع فرمایا ہے، مثلاً فرمایا کہ

یہود اور نصاریٰ اپنی ڈاڑھیاں نہیں رنگتے، تم ان کے خلاف کرو۔ یہودی جوتیاں پہن کر نماز نہیں پڑھتے تم ان کے خلاف کرو۔ یہودی صرف عاشورا کے دن روزہ رکھتے ہیں تم ان کے خلاف کرو۔ ایک دن اس سے پہلے اور ایک دن اس کے بعد بھی روزہ رکھو۔ نیز فرمایا کہ عجمیوں سے تشبّہ نہ کرو۔ اور ترمذی کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "جس نے ہمارے سوا کسی غیر قوم سے مشابہت کی وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور امام احمد ابن حنبل کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا "جس نے کسی قوم سے تشبّہ کیا وہ اسی قوم سے ہے" اس میں راز یہ ہے کہ ظاہری طریقوں میں مشابہت رفتہ رفتہ قصد اور عمل میں موافقت کا سبب بن جاتی ہے۔

(۱۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی اور بھتیجی، اور خالہ اور بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ "اگر ایسا کروگے تو قطع رحمی کروگے" اس فعل کی ممانعت میں اتنا مبالغہ کیا گیا کہ اگر عورت اس پر راضی بھی ہو تب بھی ایسا کرنا جائز نہیں۔ وجہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرما دی ہے کہ یہ اس قطع رحمی کا ذریعہ بن جائے گا جس کو خدا نے حرام کیا ہے۔

(۱۷) چار بیویوں سے زیادہ کرنے کو حرام کر دیا گیا کیونکہ یہ جَور وظلم کا ذریعہ نہ بن جائے بعض لوگوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ اس سے انسان پر مصارف کا اتنا بار پڑ جائے گا جو اکل حرام کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بہر صورت یہ بھی سدّ باب ذرائع کے قبیل سے ہے۔ اور چار بیویوں کو مباح کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی جور کا خدشہ ہے لیکن اس کی اباحت میں جو مصلحتیں ہیں وہ خدشۂ جور کے مفسدہ پر غالب ہیں۔

(۱۸) اللہ تعالیٰ نے زمانۂ عدت میں عورت کو صریحاً نکاح کا پیغام دینے سے منع فرما دیا، حتّٰی کہ عدتِ وفات میں بھی اسکی اجازت نہ دی، کیونکہ اگر ایسا کرنے سے نہ روکا جاتا تو خطرہ تھا کہ کوئی اچھا پیغام آنے کی صورت میں عورت جلدی نہ کر بیٹھے اور قبل از وقت عدت پوری ہو جانے کا یقین دلا کر نکاح نہ کرلے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے زمانۂ عدت میں اور حالت احرام میں عقد نکاح کو حرام کر دیا، خواہ یہ قرارداد کر لی گئی ہو کہ وطی، عدت گذرنے یا احرام اترنے کے بعد ہو گی۔ یہ اس لیے کہ عقد ہو جانا کہیں وطی کا ذریعہ نہ بن جائے

بخلاف اس کے روزے کی حالت میں عقد کرنے سے نہیں روکا۔ اگرچہ خطرہ اس میں بھی تھا مگر بہت بعید تھا کیونکہ افطار کے وقت تک دن کے چند گھنٹے گذارنا کچھ ایسا مشکل نہیں ہیں کہ انسان بے صبر ہو جائے۔

(۲۰) شارع نے احرام کی حالت میں عطر لگانے سے منع کر دیا، کیونکہ خوشبو دواعی شہوت میں سے ہے۔ پس اس کی تحریم بھی سدّ باب ذریعہ کے قبیل سے ہے۔

(۲۱) شارع نے نکاح کے لیے دوسرے عقود کے مقابلہ میں زائد شرطیں مقرر کیں جن سے نکاح اور سفاح کے درمیان مشابہت کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ مثلاً اس کے لیے اعلان کو شرط قرار دیا گیا اور اس کا اظہار کرنے کے لیے دف بجانے اور آواز بلند کرنے اور ولیمہ کی ضیافت کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو خفیہ نکاح ہونے لگیں جو سفاح بصورت نکاح ہیں اور جن سے عقد نکاح کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ پھر مزید تاکید اس میں یہ کی گئی کہ نکاح کی حرمت قائم کرنے کے لیے عدت کا زمانہ استبرائے رحم[1] کی مقدار سے زیادہ رکھا گیا اور اس کے ساتھ حرمت مصاہرت کے احکام دیے گئے اور منکوحہ عورت کو میراث بنانے سے منع کیا گیا۔ یہ سب چیزیں مجرد استمتاع پر زائد ہیں اور ان سے مقصود یہ ہے کہ نکاح کو سفاح کا ذریعہ نہ بنا لیا جائے۔

(۲۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص قرض اور بیع کو ایک ہی معاملہ میں جمع کرے حالانکہ اگر ان دونوں میں کسی ایک صورت پر معاملہ کیا جائے تو وہ درست ہے، اور بجائے خود دونوں طریقے حلال ہیں۔ پس دو حلال طریقوں کو یکجا جمع کرنے سے جو روک دیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں اس کو سودخواری کا ذریعہ نہ بنا لیا جائے۔ مثلاً ایک شخص کسی کو ایک ہزار روپیہ قرض دے اور اس کے ہاتھ آٹھ سو روپے کا مال فروخت کرکے اس کی قیمت اس دباؤ میں ایک ہزار لگا دے کہ خریدار اس کا قرضدار ہے۔ اس طرح اس نے دیا تو ایک ہزار نقد اور آٹھ سو کا مال، اور وصول کیے دو ہزار یہی معنی ہیں ربوٰ کے۔ اب غور کرو کہ شارع نے محرمات و ممنوعات کے ذرائع پر کس طرح ہر ہر جانب سے پابندیاں عائد کی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک

---

[1] واضح ہو کہ استبرائے رحم کے لیے صرف ایک حیض آجانا کافی ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت حاملہ نہیں ہے۔

ہزار کے عوض ہزار سے اور پانچ سو میں، رو مال دے تو یہ جائز ہے۔ حالانکہ بعینہٖ وہ چیز ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہے اور یہ سود خواری کے قریب ترین ذرائع میں سے ہے۔ جو شخص ذریعہ کا دروازہ بند نہیں کرتا اسے چاہیے کہ نصوص کی مخالفت کرے اور ذریعہ کو جائز کر دے، ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ انسان کسی ممنوع فعل کا تارک بھی ہو اور ہر صورت سے اس کے نظائر کا ارتکاب بھی کرتا چلا جائے۔

(۲۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے بیع العینہ کی تحریم پر صریح آثار منقول ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ کے پاس اصل قیمت پر مال کے واپس آجانے کا امکان ہے اگرچہ دونوں کے درمیان ربٰو کا باقاعدہ طے نہ ہوا ہو۔ اس کا مقصد ربوٰا ہی کا سدباب ہے۔

(۲۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہ کو قرض دار سے ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت فرمائی اسی طرح صحابہ نے بھی اس سے روکا۔ ظاہر ہے کہ ہدیہ ناجائز نہیں۔ مگر اس میں خدشہ یہ ہے کہ ہدیہ دے کر قرض دار مہلت قرض میں اضافہ چاہے گا۔ اور قرض دار اس ہدیہ کی وجہ سے مہلت دینے پر راضی ہو جائے گا۔ اس طرح ہدیہ خود بخود سود بن جائے گا، کیونکہ قرض خواہ کو اس کا راس المال بھی واپس ملا اور اضافہ مہلت کے معاوضہ میں ہدیہ بھی ملا پس شارع نے ایک جائز فعل سے محض اس لیے روک دیا کہ وہ بلا ارادہ یا بالارادہ سود خواری کا ذریعہ نہ بن جائے۔

(۲۵) حاکم اور قاضی اور سفارش کرنے والے کو بھی قبول ہدیہ سے منع کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ ہدیہ فساد معاملات کی جڑ ہے۔ امور کو غیر اہل کے سپرد کرنا، اور خائنوں کو عہدے دینا، اور ناکارہ لوگوں کو ذمہ داری کی جگہوں پر مامور کرنا، یہ سب کچھ انہی ہدیوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ان سے اتنے فسادات پیدا ہوتے ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ جب کوئی شخص کسی ایسے شخص کا ہدیہ قبول کرتا ہے جس کے ساتھ اس کے کوئی ایسے

لہ بیع العینہ یہ ہے کہ کسی مال کو قرض دینے کی صورت میں اس کی قیمت زیادہ کر دی جائے مثلاً جو چیز نقد ایک روپیہ میں فروخت کی جاتی ہو اس کی قیمت قرض کی صورت میں ایک روپیہ ایک آنہ لگائی جائے۔

گہرے روابط نہ ہوں جن کی بنا پر دونوں کے درمیان ہدایا کا مبادلہ ہوتا رہتا ہو، تو لامحالہ یہ اسی لیے ہوتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ناروا رعایت کرے۔ گو اس کو لالچ نہ ہو، تب بھی یہ خواہش پیدا ہوگی کہ اس ہدیہ کے بدلہ میں اس کی کوئی غرض پوری کرے۔

(۲۶) سنت نبوی یہ ہے کہ جو شخص کسی کو قتل کردے وہ مقتول کی میراث نہیں پاسکتا۔ یہ اس لیے ہے کہ قاتل کو وراثت دلوانا کہیں قتل کی ترغیب کا ذریعہ نہ بن جائے، اور کوئی شخص محض کسی کی میراث جلدی پانے کے لیے قتل کا ارتکاب نہ کرے۔ اس مصلحت کو پیش نظر رکھکر عام قاعدہ یہ بنا دیا گیا کہ قاتل کو کسی حال میں میراث نہ ملیگی، خواہ قتل سے اس کی نیت میراث حاصل کرنے کی ہو یا نہ ہو۔ یہ حکم بھی سدّباب ذریعہ کے قبیل سے ہے۔

(۲۷) مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کا قاعدہ یہ تھا کہ جس عورت کو حالت مرض میں طلاق بائن دی جاتی اس کو وہ میراث دلواتے تھے، کیونکہ اس حالت کی طلاق میں اس شبہہ کی گنجائش تھی کہ شاید اس سے مقصد عورت کو ورثہ سے محروم کرنا ہو۔ پس انہوں نے عام قاعدہ یہی بنالیا کہ خواہ عورت کو محروم کرنا مقصود ہو یا نہ ہو، بہر حال وہ ایسی مطلقہ کو میراث دلائیں گے تاکہ طلاق کو اس ظلم کے لیے ذریعہ نہ بنا لیا جائے۔ جس جگہ ایسے شبہہ کی گنجائش نہ ہو وہاں بھی اس عام قاعدہ میں استثنا نہیں کیا گیا کیونکہ وہ باب ذریعہ کو بالکلیہ بند کرنا چاہتے تھے، اور بعض کا خیال یہ بھی تھا کہ جب مرض الموت کی حالت شروع ہوگئی تو شوہر کے مال میں عورت کا حق واجب ہوگیا اور اس حق کو قطع کرنا ممکن نہیں۔ اس مسئلہ میں جو اختلاف ہوا ہے وہ سابقین کے اجماع سے متأخر ہے۔

(۲۸) صحابہ اور عامۂ فقہاء کا بالاتفاق یہ فتویٰ ہے کہ ایک شخص کو اگر چند آدمیوں نے مل کر قتل کیا ہو تو سب سے قصاص لیا جائے گا۔ اگرچہ یہ بات اصول قصاص کے خلاف ہے، لیکن یہ فتویٰ اس لیے دیا گیا کہ کہیں عدم قصاص، خونریزی میں تعاون کا ذریعہ نہ بن جائے۔

(۲۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت جنگ میں سارق کا ہاتھ کاٹنے سے منع کردیا محض اس لیے کہ

حد کا خوف کہیں سارق کو کفار سے جا ملنے پر آمادہ نہ کر دے۔ اسی بنا پر حالت جنگ میں اقامت حدود موقوف رکھنے کا عام قاعدہ جاری ہوا۔

(۳۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان سے ایک دن یا دو دن قبل روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی الا یہ کہ کسی شخص کو کسی خاص دن روزہ رکھنے کی عادت ہو اور اتفاق سے وہ دن رمضان سے متصل آجائے اسی طرح حضور نے یوم الشک کے روزے سے بھی منع فرمایا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ یہ فرض اور غیر فرض کی تمیز اٹھ جانے کا ذریعہ نہ بن جائے اور لوگ فرائض کے ساتھ خود اپنی اختراع سے غیر فرائض کو متصل نہ کرنے لگیں۔ اسی طرح حضور نے یوم عید کا روزہ حرام کر دیا کہ وقت عبادت اور غیر وقت عبادت کی تمیز باقی رہے اور لوگ اپنی طرف سے فرائض میں اضافہ نہ کرنے لگیں جیسے کہ نصاریٰ اس سے پہلے کر چکے ہیں اس باب میں شارع نے بہت احتیاطیں کی ہیں مثلاً افطار میں تعجیل اور سحر میں تاخیر کا حکم دیا تاکہ لوگ روزہ کی مقدار مقررہ میں بطور خود اضافہ نہ کرلیں۔ عید کے روز نماز سے پہلے افطار میں جلدی کرنے کا استحباب بھی اسی لیے ہے۔ نیز آپ نے حکم دیا کہ فرض نماز اور نفل نماز میں فرق کیا جائے اور امام کیلئے اس فعل کو مکروہ قرار دیا کہ وہ اپنے مصلے پر سنن و نوافل ادا کرے حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کے قبلہ رو بیٹھے رہنے کو بھی ناپسند فرمایا۔ یہ تمام احکام اسی لیے ہیں کہ شارع زیادت فی الفرض کے چھوٹے سے چھوٹے ذریعہ کا بھی سدباب کرنا چاہتا ہے۔

(۳۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ کسی ایسی چیز کو نماز کے وقت سامنے نہ رہنے دیا جائے جس کی عبادت مشرک قوموں میں رائج ہو حتیٰ کہ آپ نے اس کو بھی ناپسند فرمایا کہ نماز کے وقت کسی لکڑی یا ستون یا درخت وغیرہ کی طرف رخ کیا جائے۔ آپ کی ہدایت یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز سامنے ہو تو اس سے ذرا سا رخ پھیر کر پڑھو تاکہ وہ ٹھیک سامنے نہ رہے۔ یہ سب اس لیے تھا کہ سجود لغیر اللہ کے ساتھ تشبہ کا ذریعہ نہ بن جائے۔

(۳۲) آپ نے شفعہ کو مشروع فرمایا اور شریک یہ حق دیا کہ وہ خریدار کے ہاتھ سے براہ راست اپنا حصہ لے لے اس سے مقصود ان جھگڑوں کا سد باب تھا جو شرکت اور تقسیم میں پیدا ہوتے ہیں۔

(۳۳) حاکم کو منع کیا گیا ہے کہ وہ فریقین میں سے ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ اونچی جگہ دے یا ایک فریق کی طرف زیادہ متوجہ ہو، یا اس سے مشاورت کرے، یا اس کے لیے تعظیماً کھڑا ہو۔ مقصود یہ ہے کہ حاکم کا یہ طرز عمل کہیں فریق ثانی کو مایوس اور دل شکستہ نہ کر دے، اور ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے مخالف کو حاکم کے پاس زیادہ با اثر پا کر اپنی حجت پوری قوت کے ساتھ پیش نہ کر سکے اور یہ بے انصافی کا ذریعہ بن جائے۔

(۳۴) حاکم کو اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ کرنے سے منع کر دیا گیا تاکہ یہ چیز بے انصافی کا ذریعہ نہ بن جائے اور ایسا نہ ہو کہ حاکم غلط فیصلے کرنے لگیں اور بہانہ یہ کریں کہ ہم اپنے ذاتی علم کی بنا پر ایسا فیصلہ کر رہے ہیں۔

(۳۵) شریعت نے کسی شخص کے مقابلہ میں اس کے دشمن کی شہادت قبول کرنے سے منع کر دیا، خواہ وہ کیسا ہی سچا آدمی ہو۔ شاہد کے صادق یا غیر صادق ہونے کا لحاظ کیے بغیر یہ عام قاعدہ اسی لیے بنایا گیا ہے کہ دشمنی کی بنا پر باطل شہادت دینے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہے۔

(۳۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کو بآواز بلند پڑھنے سے روک دیا تاکہ یہ کفار میں جہالت کا جوش پیدا کرنے اور ان کی زبان سے قرآن اور اللہ تعالیٰ اور جبریلؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گالیاں نکلوانے کا ذریعہ نہ بن جائے۔

(۳۷) اللہ تعالیٰ نے گناہ کے بعد توبہ کرنے والے کو ایسا قرار دیا ہے کہ گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں، جو شخص توبۃ النصوح کے بعد خدا کے سامنے حاضر ہوگا اس کو اس گناہ پر عذاب نہ دیا جائے گا جس سے وہ توبہ کر چکا ہے۔ مگر احکام دنیا کا حال اس سے مختلف ہے۔ اگر کوئی شخص کوئی ایسا جرم کرے جس کے

لیے شرعی سزا مقرر ہو اور پھر گرفتاری کے بعد توبہ کرنے لگے تو یہ اس کو سزا سے نہ بچائے گی خواہ اس کی توبہ توبۃ النصوح ہی کیوں نہ ہو۔ یہ اس لیے کہ کہیں توبہ کو تعطیل حدود اللہ کا ذریعہ نہ بنا لیا جائے۔ ہاں اگر وہ امام تک معاملہ پہنچنے سے پہلے ہی سچی توبہ کر چکا ہو تو اصح قول علما یہ ہے کہ اس پر سے حد ساقط ہو جائے گی۔ [1]

(باقی)

---

[1] سچی توبہ کی علامت یہ ہے کہ توبہ کے بعد پھر اس نے جرم کا اعادہ نہ کیا ہو۔ اور مثل کی صورت یہ ہے کہ بالفرض ایک شخص پہلے جرم کرتا تھا۔ پھر اس نے توبہ کر لی اور جرم کرنا چھوڑ دیا اور ثابت ہو گیا کہ اس نے نیک زندگی اختیار کر لی ہے تو اب اس کو پرانے جرم کی بنا پر گرفتار کرنا اور سزا دینا درست نہیں۔ یہ اس لیے کہ کہیں تعزیر میں اتنا مبالغہ لوگوں کو جرائم میں مبتلا رکھنے کا ذریعہ نہ بن جائے۔ جب ایک دفعہ جرم کرنے کے بعد ایک شخص کو یقین ہو کہ اب میں بہر حال سزا کا متوجب ہی ہو چکا ہوں اور سزا سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ لاؤ اب دل کھول کر ہی کیوں نہ جرم کریں۔

مرآۃ المثنوی

مرتبہ جناب قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے رکن دار الترجمہ

مثنوی مولانا روم کا بہترین ایڈیشن جس میں مثنوی شریف کے منتشر مضامین کو ایک سلسلہ کے ساتھ اس طور پر مرتب کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا مولانا کے مدعا اور ان کی تعلیم کو بڑی آسانی سے سمجھتا چلا جاتا ہے کئی انڈکس اور فہرستیں بھی ہیں جن کی مدد سے آپ حسب منشا، جو شعر چاہیں نکال سکتے ہیں۔ ایک بسیط فرہنگ بھی ملحق ہے غرض یہ کہ اس کتاب نے مثنوی شریف سے فائدہ اٹھانے کے لیے ایسی سہولت مہیا کر دی ہے کہ ایک شخص بڑی آسانی سے کتاب کے مطالب پر عبور حاصل کر سکتا ہے۔ کاغذ کتابت بہترین جلد نہایت اعلیٰ قیمت ۹ ٹکٹ لیہ سکہ عثمانیہ

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے